پیامِ عید

مولانا سیّد جلال الدین عمری

حرفِ آغاز

زیرِ نظر کتاب 'پیامِ عید' عالم اسلام کے جانے پہچانے مصنف و مدبر، صاحبِ طرز خطیب اور جماعت اسلامی ہند کے محترم امیر حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ العالی کے دو قیمتی خطبات پر مشتمل ہے۔ پہلا خطبہ جامعہ نگر، نئی دہلی کی مرکزی مسجد، مسجد اشاعت اسلام دعوت نگر، میں ۲۱؍ستمبر ۲۰۰۹ء کو عید الفطر کے موقعے پر پیش فرمایا تھا، جس میں ایک اندازے کے مطابق کم و بیش پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) فرزندانِ اسلام نے نہایت توجہ اور یک سوئی کے ساتھ مولانائے محترم کی اقتدا میں نمازِ عید الفطر ادا کی اور ایمان افروز خطبہ سماعت کیا، دوسرا خطبہ ۲۶؍ستمبر ۲۰۰۹ کو جماعت اسلامی ہند کی طرف سے منعقد ہونے والی ''عید ملن'' تقریب میں ہوا تھا۔ اِس تقریب میں ملک کی مختلف دینی جماعتوں کے رہ نماؤں، مسلم تنظیموں کے نمایندوں، ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کے علاوہ، دہلی کی سرکردہ سیاسی اور سماجی شخصیات، علما، صحافی اور دانش ور حضرات بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔ پہلے خطبے میں مسلمانوں کو ان کی دینی و اخلاقی ذمے داریوں کی طرف متوجہ کیا گیا، جب کہ دوسرے خطبے میں مشترک مجمعے کے پیش نظر ملک کی ترقی کے ساتھ اس کی بعض مہلک کم زوریوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اگر ہمارا ملک اِن کم زوریوں پر قابو حاصل کر لے تو سب سے

بڑی طاقت بن کر سامنے آسکتا ہے اور پوری دنیا کی قیادت اس کا استقبال کرے گی۔

یہ دونوں خطبے اپنے موضوع اور محل کے اعتبار سے نہایت مفید اور قابل توجہ ہیں، ان کی اِسی افادیت و اہمیت کے پیش نظر ملک کے بعض مؤقر اخبارات و جرائد نے بھی انھیں شائع کیا ہے، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے بھی انھیں یک جا طور پر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ تاکہ ان کی افادیت عام ہوسکے۔

امید ہے کہ شائقین اس پیش کش کا استقبال کریں گے۔

ناشر

خطبہ عید الفطر

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝
(ابراہیم:۱)

''یہ کتاب ہم نے اے پیغمبرؐ! آپ پر اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ اللہ کے حکم اور توفیق سے لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں پہنچائیں اور خدائے غالب و برتر اور ستودہ صفات کی راہ دکھائیں۔''

بزرگو، بھائیو، عزیز اور محترم خواتین ماؤ، بہنو اور بیٹیو! کل ماہِ رمضان ختم ہوا ہے اور آج ہم عید منا رہے ہیں۔ عید کی پرخلوص مبارک باد قبول فرمائیے۔ دعا ہے کہ ایسی صدہا عیدیں ہم سب کو نصیب ہوں اور صحیح معنی میں ہم عید کی خوشی منائیں۔

اس ماہِ مبارک میں ہم نے اہتمام سے قرآن مجید کی تلاوت کی، تراویح میں اسے پڑھا اور سنا، اسے سمجھنے کی بھی کسی درجے میں کوشش ہوتی رہی۔ لیکن کیا ہم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ قرآن مجید کا مقصدِ نزول کیا ہے، یہ کس لیے نازل ہوا؟ اس کا جواب اوپر کی آیت میں جس کی ابھی تلاوت کی گئی یہ دیا گیا ہے کہ ''یہ کتاب ہم نے اے پیغمبرؐ آپ پر اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ اللہ کے حکم اور توفیق سے لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں پہنچائیں اور خدائے غالب و برتر اور ستودہ صفات کی راہ دکھائیں۔''

یہ ظلمت کیا ہے، جو پوری نوعِ انسانی پر چھائی ہوئی تھی اور اب بھی چھائی ہوئی ہے، جس سے نکالنے کے لیے یہ کتاب نازل ہوئی ہے؟ یہ ظلمت ہے عقیدے اور فکر کی۔ دنیا صحیح عقیدے اور فکر سے محروم ہے۔ یہ ظلمت ہے آخرت فراموشی کی، یہ ظلمت ہے

مادیت کے غلبے کی، یہ ظلمت ہے بداخلاقی اور بے حیائی کی، یہ ظلمت ہے گندی تہذیب اور معاشرت کی، یہ ظلمت ہے مفاد پرست سیاست کی، یہ ظلمت ہے حقوق کی پامالی اور ظلم و زیادتی کی اور یہ ظلمت ہے کم زوروں کے استحصال اور عدل و انصاف سے محرومی کی۔ کوئی ایک ظلمت نہیں، بہت سی ظلمتیں ہیں، جن میں انسان گرفتار تھا اور آج یہ ظلمتیں زیادہ شدید اور ہول ناک ہوگئی ہیں۔

اللہ کی کتاب کا نور جب کسی کو ملتا ہے تو اس کی زندگی سے ظلمتیں کافور ہوجاتی ہیں۔ وہ کفر وشرک کی دَل دَل سے نکل آتا ہے۔ خدا، رسول اور آخرت پر اس کا عقیدہ مستحکم ہوجاتا ہے۔ وہ ان اخلاقی خرابیوں سے دامن کش ہوجاتا ہے، جو اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے سینے میں شستہ جذبات اور پاکیزہ احساسات پرورش پانے لگتے ہیں۔ اس کی مردہ روح ایک نئی زیست سے ہم کنار ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے عطا کردہ نور میں اپنا سفرِ حیات طے کرتا ہے۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

(الانعام:۱۲۲)

کیا ایک وہ شخص جو مردہ تھا، ہم نے اسے حیات عطا کی اور اسے نور بخشا، جسے لے کر وہ لوگوں کے درمیان چل رہا ہے، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے، جو ظلمتوں میں پڑا ہوا ہے اور اس سے نکل نہیں پا رہا ہے۔ اس طرح ہم حق و صداقت کا انکار کرنے والوں کے لیے ان کے غلط کاموں کو آراستہ کردیتے ہیں (اور وہ ان میں مدہوش رہتے ہیں)۔

اگر آپ کی زندگی خدا کی کتاب قرآن مجید کے نور سے منور نہیں ہے اور آپ کے فکر و عمل اور سیرت و کردار میں وہ ضیا پاش نہیں ہے تو آپ ظلمت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ کتاب اللہ پر ایمان کا تقاضا ہے کہ آپ اس ظلمت سے جلد نکل آئیں اور اس یقین سے اپنے سفر کا آغاز کریں۔

وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۝ (النور:۴۰)
جسے اللہ روشنی نہ عطا کرے اس کے لیے کہیں کوئی روشنی نہیں۔

افسوس کہ ہماری زندگی جسے کتاب اللہ کے نور سے تاباں ہونا چاہیے تھا، ظلمت میں بسر ہو رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے طے کرلیا ہے کہ خود ظلمت میں رہیں گے اور دنیا کو بھی ظلمت ہی میں پڑی رہنے دیں گے۔

آج دنیا نے حیرت انگیز مادی ترقی کی ہے۔ زمین کے خزانے انسان کے تصرف میں ہیں۔ وہ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف عیش و عشرت کا سامان بکھرا پڑا ہے۔ اس کی راتیں برقی روشنی سے جگمگا رہی ہیں اور ہر طرف خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں اور وہ اعلان کر رہا ہے:

ما را بہ جہاں خوش تر ازیں یک دم نیست
کہ از نیک و بد اندیشہ و از کس غم نیست

ہمارا ملک بھی اس راہ پر گامزن ہے اور ترقی کر بھی رہا ہے۔ لیکن وہ اس نور سے محروم ہے جو قرآن مجید عطا کرتا ہے۔ ظلمت کی ماری ہوئی یہ دنیا اس کی محتاج ہے کہ اسے قرآن کی روشنی ملے۔ آیئے اس روشنی کو لے کر آگے بڑھیں اور اسے ظلمت سے نکالیں۔ اللہ کے رسول ﷺ 'سراج منیر' تھے۔ آیئے اس سے روشنی کا اکتساب کریں اور آفاق عالم کو روشن کردیں۔ آپ کی ذات پوری دنیا کے لیے آفتاب ہے۔ بدنصیب ہے وہ جو اس سے آنکھیں بند کرلے۔

یہی سرمایہ لے کر آپ چلے تھے۔ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی دنیا نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کو اپنا محسن سمجھا اور دیدہ و دل فرشِ راہ کیا۔ لیکن آج آپ کے ہاتھوں میں قرآن مجید کا نورِ ہدایت نہیں ہے، اس لیے آپ کی کوئی قدر و قیمت بھی نہیں ہے۔ حالاں کہ مادی لحاظ سے آپ بڑے ساز و سامان کے مالک ہیں، آپ کے پاس افرادی قوت ہے، سرمایۂ سیم و زر ہے اور بے شمار وسائلِ معیشت ہیں۔ لیکن ان کی بنیاد پر آپ

دنیا کو متاثر نہیں کرسکتے۔ اس لیے کہ جو کچھ آپ کے ہاتھوں میں ہے، وہ بہتر شکل میں اس کے پاس موجود ہے۔ اس کے ساتھ علم و ہنر میں وہ آپ سے بہت آگے ہے۔ اسی وجہ سے آپ پر حکومت کر رہی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب آپ نے قرآن کا نورِ ہدایت پھیلانا چاہا تو وہ تیزی سے پھیلا اور علاقے کے علاقے اس سے روشن ہوگئے اور قرآن کی راہ نمائی قبول کرلی۔ لیکن یہ نہ بھولیے کہ اس کی شدید مخالفت بھی ہوتی رہی ہے۔ آج بھی اس کا امکان ہے۔ جب آپ روشنی کی طرف بلائیں گے تو دنیا جو ظلمتوں کی عادی ہوچکی ہے، جو ظلمتِ شب کو نورِ سحر سمجھ رہی ہے، وہ مذاق اڑائے گی، اسے فرسودہ افکار سے تعبیر کرے گی، وہ اندھی آنکھوں سے آپ کو دیکھے گی اور بہرے کانوں سے آپ کی باتیں سنے گی۔ وہ اسے خلافِ عقل اور ناقابلِ عمل قرار دے گی اور کہے گی کہ تاریخ آگے بڑھ چکی ہے اسے پیچھے نہیں لوٹایا جاسکتا۔ یہی نہیں اس سے آگے وہ آپ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرے گی اور آپ کے ساتھ وہ سلوک کرے گی جو کسی دشمن اور بدخواہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے رسولوں، ان کے ساتھیوں اور ہر دور کے حق پرستوں کے ساتھ پیش آتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں ان پر، ان کی قربانیوں ہی سے ظلمت کا پردہ چاک ہوا اور حق اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا۔ آج دنیا میں کہیں حق کی روشنی نظر آتی ہے تو وہ انھی کی پھیلائی ہوئی ہے۔ دنیا ان کے احسان سے کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتی۔ حق کی روشنی ماضی، حال اور مستقبل کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ ہر دور میں روشنی ہے اور انسان اس کا پہلے بھی محتاج رہا ہے اور آئندہ بھی محتاج رہے گا۔

آپ کہیں گے حالات نے ہمیں زیر کرلیا ہے، ہماری کمر توڑ دی ہے، مخالف فکر و فلسفہ اور تہذیب و معاشرت اس قدر مضبوط ہے اور اپنے قدم جما چکی ہے کہ ہم اسے چیلنج نہیں کرسکتے۔

یہ عزم اور ارادے کی کمی اور بے ہمتی ہے، جس کی کسی ایسے شخص سے توقع

نہیں کی جاسکتی، جس کے دل میں خدا پر ایمان جاگزیں ہو اور جو صرف اسی سے خوف کھاتا ہو۔ کسی قوم کی سب سے بڑی کم زوری یہ ہے کہ وہ ہمت اور حوصلہ چھوڑ بیٹھے اور حریف کی طاقت سے لرزہ براندام رہنے لگے۔ آپ کا تعلق اس ملت سے ہے، جس نے کبھی شکست کو شکست نہ مانی اور فتح و کامرانی کی تاریخ مرتب کرتی رہی۔ اُحُد کے میدان میں دشمنوں نے اسے شکست دی، لیکن اس کے عزائم کو وہ کم زور نہ کرسکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا:

وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْآ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

کم زوری اور سستی نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو، تم ہی سربلند رہوگے، اگر تم ایمان والے ہو۔

(آل عمران:۱۳۹)

اللہ کی کتاب جو روشنی پھیلانا چاہتی ہے وہ توحید کی روشنی ہے۔ وہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انسان ایک خدا کا بندہ ہے، اسی کی عبادت اور اطاعت اسے کرنی چاہیے۔ وہ آخرت کا عقیدہ دیتی ہے اور وہاں کی کامیابی ہی کو حقیقی کامیابی قرار دیتی ہے۔ وہ حقوق انسانی کی نگہباں ہے اور ہر طرح کے ظلم و جور اور استحصال کے خلاف ہے۔ وہ بداخلاقی اور بے حیائی کو ختم کرکے اخلاقی قدروں کو فروغ دینا چاہتی ہے۔ وہ انسانوں کے درمیان نفرت و عداوت کی جگہ محبت اور ہم دردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا تصور دیتی ہے، جس میں خیر پھلے پھولے اور شر ابھر نہ سکے۔ یہ باتیں انسان کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ جب آپ اس روشنی کو عام کرنا چاہیں گے تو اس کی مخالفت کسی بھی سلیم الفطرت شخص کے لیے آسان نہ ہوگی۔

اس پورے عمل میں ضروری ہے کہ آپ مخلص ہوں، باکردار اور بااخلاق ہوں، انسانوں کے صحیح معنیٰ میں ہم درد و بہی خواہ ہوں۔ اس سے آپ کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہ ہو۔ صرف انسانوں کی بھلائی آپ کے پیش نظر ہو۔ پھر دیکھیے ظلمت کی ماری ہوئی یہ دنیا کس طرح روشنی میں آتی ہے۔ شب تاریک کے بعد کیسے صبحِ روشن طلوع ہوتی ہے۔ اللہ ہم سب کی مدد فرمائے۔

ہمارے مسائل اور ان کا حل

بزرگو اور دوستو! ابھی ۲۱؍ستمبر کو ہم نے عید الفطر منائی ہے، اس کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں برادرانِ ملت کو تہہ دل سے عید کی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے رمضان المبارک میں مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھے، عبادت و ریاضت میں اپنا وقت صرف کیا اور غریبوں اور ناداروں کی اپنی حد تک مدد بھی کی۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائے۔ مجھے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ ہماری اس خوشی میں اس وقت بہت سے غیر مسلم بھائی بھی شریک ہیں۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اس طرح کی مجلسیں ایک دوسرے کو قریب کرنے، ان کے درمیان پائے جانے والے فاصلوں کو کم کرنے اور باہم افہام و تفہیم میں معاون ہوتی ہیں۔

رمضان کا مہینہ تربیت کا مہینہ ہے۔ اس میں آدمی اپنی طبعی ضروریات، خواہشات اور جذبات پر قابو پانے اور انھیں کنٹرول کرنے کی تربیت حاصل کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کا ضبطِ نفس ہے۔ اسی طرح اس مہینے میں آدمی تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے کم زوروں اور ناداروں کے دکھ درد کو محسوس کرتا ہے اور ان کی ممکنہ مدد کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ضبطِ نفس اور دوسروں کے کام آنے کا جذبہ صحیح معنیٰ میں پیدا ہو جائے تو انسان کی سیرت و کردار میں انقلاب آجائے، خود غرضی کی جگہ ایثار و قربانی کے جذبات پیدا ہو جائیں اور ملک کا نقشہ ہی تبدیل ہو جائے۔

محترم حاضرین! یہ ملک ہم سب کا ہے۔ اس کا نفع نقصان ہم میں سے ہر فرد کا

نفع نقصان ہے۔ اس کی ترقی اور خوش حالی میں ہم سب کی ترقی اور خوش حالی ہے۔ اس کا زیاں کسی ایک کا نہیں ہر ایک کا زیاں ہے۔ اس معاملے میں ہم سب مخلص ہیں۔ کسی فرد یا گروہ کے خلوص پر شک وشبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود کو ملک کا خیر خواہ اور دوسرے کو بدخواہ کہے یا کسی کو ملک کا وفادار اور دوسرے کو غیر وفادار قرار دے۔ ہم سب اس کے وفادار ہیں اور اپنے اپنے ڈھنگ سے اس کی فلاح اور ترقی چاہتے ہیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ آزادی کے بعد ہمارے ملک نے معیشت، صنعت و حرفت، زراعت، تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی کے مختلف میدانوں میں کافی ترقی کی ہے، اس کے پاس افرادی طاقت بھی ہے اور وسائل بھی ہیں۔ آج اسے ترقی پذیر ملکوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ جلد ہی وہ ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں اپنی جگہ بنالے گا۔ لیکن اس کے ساتھ اس ملک میں بعض ایسی کم زوریاں ہیں، جو اسے صحیح معنیٰ میں ترقی کی راہ پر گام زن ہونے نہیں دیتیں اور داخلی طور پر اسے کم زور کر رہی ہیں۔ یہ کم زوریاں ذہنی، فکری، اخلاقی، سماجی، تہذیبی، سیاسی ہر نوعیت کی ہیں۔ افسوس کہ ہمارے ملک کے پاس ان پر قابو پانے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی بہت زیادہ فکر بھی اسے نہیں ہے۔ حالاں کہ ملک اگر اپنی ان داخلی کم زوریوں پر قابو پالے تو وہ دنیا کی قیادت کرسکتا ہے۔ یہاں بعض کم زوریوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ہمارے ملک کا آئین جمہوری ہے۔ اس کی رو سے ملک کے تمام باشندوں کے مساوی حقوق ہیں۔ وہ ان کے درمیان ذات پات، مذہب، پیشہ، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر فرق نہیں کرتا۔ لیکن عملاً یہ حقوق بعض طبقات کو حاصل ہیں اور بعض طبقات کے لیے وہ کاغذ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ جن طبقات کو یہ حقوق حاصل ہیں، ملک کے وسائل ان کے ہاتھ میں ہیں، اس کے نظم ونسق کے تمام شعبوں پر ان کی مضبوط گرفت ہے اور وہ ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن ملک کی اقلیتوں اور کم زور طبقات کو یہ شکایت ہے کہ ان کا واجبی حصہ (Due Share) ان کو نہیں مل رہا ہے اور ان کی پس ماندگی دور نہیں ہو

رہی ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس بات کو پسند نہیں کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی دوسرے طبقات کی طرح ترقی کریں اور ان کی صف میں کھڑے ہوجائیں۔ مسلمان جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت، بلکہ دوسری بڑی اکثریت ہیں، ان کے ساتھ ہر معاملے میں تعصب برتا اور انھیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ نے اعداد و شمار کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنی آبادی کے لحاظ سے تعلیم، ملازمت، معیشت جیسے بہت سے میدانوں میں دوسری اکائیوں سے بہت پیچھے ہیں۔ دستوری تحفظات کے باوجود انھیں جان و مال کا خطرہ لاحق رہتا ہے، انھیں پرسنل لا کی حفاظت اور دینی تشخص کو باقی رکھنے کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔ اتنی بڑی اقلیت کا اس حال میں ہونا خود اس کے لیے اور پورے ملک کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

۲-اس ملک میں صدیوں سے بلکہ ہزار ہا سال سے طبقاتی نظام قائم ہے۔ کچھ لوگ پیدائشی طور پر اونچی ذات (Upper Caste) کے اور کچھ نیچی ذات (Lower Caste) کے سمجھے جاتے ہیں۔اس کے نتیجے میں ایک طبقے میں برتری اور ایک طبقہ میں کم تری کا احساس بری طرح پیوست ہو چکا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ اپنا رویہ متعین کرتا ہے۔ انسانوں کے درمیان اس فرق و امتیاز کو کسی دلیل سے جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ بین الاقوامی حالات کے زیرِ اثر اسے ختم کرنے کی بعض سطحی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ جو لوگ اعلیٰ ذات کے خیال کیے جاتے ہیں، وہ ان لوگوں کی تقریبات میں شریک ہوجاتے ہیں یا ان کے گھر چلے جاتے ہیں، جنھیں پست ذات تصور کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان کے چند ایک افراد کو سیاسی نمائندگی بھی دی جاتی ہے، لیکن طبقاتی فرق کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ سماجی اور معاشرتی سطح پر انھیں مساوی درجہ حاصل نہیں ہے۔ بڑی بات یہ کہ ہماری سیاست میں اس کا غیر معمولی عمل دخل ہے۔ ذات برادری کی بنیاد پر ملکی سیاست ہو رہی ہے۔ کوئی اونچی ذات کی نمائندگی کرتا ہے اور کوئی پست طبقات کا ترجمان ہے۔ بساطِ سیاست پر وہ شخص نمایاں ہوتا اور قیادت کا مقام حاصل کرلیتا ہے، جس کے ساتھ کوئی

برادری ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس فرق کو مٹانے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔

۳-اس میں شک نہیں کہ ملک میں تعلیم عام ہو رہی ہے۔ بڑی تیزی سے اسکول اور کالج کھل رہے ہیں۔ نئی نئی یونیورسٹیاں قائم ہو رہی ہیں اور ان میں تعلیم پانے والوں کا اوسط بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ سب بظاہر بہت خوش آئند ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تعلیم حصولِ معاش کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ نہ تو طالب علم کے ذہن میں اور نہ سرپرستوں کے ذہن میں اس کا کوئی دوسرا مقصد ہوتا ہے۔ حالاں کہ تعلیم کا ایک اہم اور بنیادی مقصد اخلاق و کردار پیدا کرنا اور طالب علم کو اچھا شہری بنانا ہے۔ یہ مقصد اس تعلیم میں مفقود ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص سے اس کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ملک کو بنانے اور سنوارنے میں اپنا حصہ ادا کرے گا، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ملک کے بگاڑ میں ایک عام اور ناخواندہ شخص سے زیادہ تعلیم یافتہ آدمی کا حصہ نظر آتا ہے۔ کرپشن، رشوت، بدعنوانی، غیر قانونی ذرائع سے دولت جمع کرنا، فریب، جھوٹ اور لالچ کے ذریعے اقتدار میں آنا اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا جیسے جرائم میں تعلیم یافتہ اور اصحابِ مناصب ہی سب سے آگے ہیں۔ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اس کی اصلاح کی فکر نہ حکومت کو ہے اور نہ تعلیمی اداروں کو۔

۴-ملک کا ایک بڑا مسئلہ اخلاقی زوال ہے۔ اخلاقی قدریں بری طرح پامال ہورہی ہیں۔ بداخلاقی اور بے حیائی عام ہوتی جا رہی ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و رسائل پورا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اسے پھیلانے میں شب و روز مصروف ہے۔ بجائے اس کے کہ شہوانی جذبات کو کنٹرول کرنے کی تعلیم و تربیت دی جائے اور جنسی آوارگی کے نقصانات واضح کیے جائیں، انھیں بڑھانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آزاد جنسی تعلقات میں کوئی برائی نہیں محسوس کی جاتی، بلکہ اسے پسند کیا جانے لگا ہے۔ ہمارے دانش کدے، تجربہ گاہیں، تعلیمی اور صنعتی مراکز، دفاتر اور آفس سب اس سے بری طرح متاثر ہیں۔ تعلیمی نصاب میں بھی یہ گندگی آرہی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ

ہم جنسی (Homosexuality) کو اب سندِ جواز فراہم کی جا رہی ہے۔ کیا کسی مذہبی ملک میں اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ جنسی بے راہ روی جوان نسل کی جسمانی اور ذہنی قوتوں ہی کو نقصان نہیں پہنچا رہی ہے، بلکہ خاندانی نظام کو، جو کسی بھی سماج کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، تباہ کر رہی ہے۔

۵۔ملکی معیشت بہ ظاہر ترقی کر رہی ہے، لیکن اس میں استحصال کا پہلو غالب ہے۔ اس میں سرمایہ دار طبقہ کے لیے خوب مواقع ہیں۔ مارکیٹ پر اس کا قبضہ پہلے بھی تھا اب اور مضبوط ہوگیا ہے۔ جو طبقہ مالی لحاظ سے کم زور ہے، اس کے لیے اس میں مواقع کم ہیں۔ کھلے بازار کے نام پر ہماری معیشت مغرب کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ ہم خوش ہیں کہ ہمیں ملازمتیں حاصل ہو رہی ہیں اور ہماری قوت خرید بڑھ رہی ہے، لیکن اس پہلو سے غافل ہیں کہ مغرب اپنے پورے کلچر کے ساتھ ہمارے بازاروں میں موجود ہے۔ اس سے ہماری اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں اور ہم اسی بے حیائی کی راہ اختیار کر رہے ہیں، جس پر مغرب گام زن ہے۔ اور ان ہی نتائجِ بد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جن سے مغرب دوچار ہے۔

۶۔ہمارے ملک میں بہت سے مذاہب ہیں۔ یہاں ہندومت ہے، اسلام ہے، عیسائیت ہے، جین مت، بدھ مت اور سکھ مت ہے، اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب ہیں۔ اس ملک کی ایک ناقابلِ لحاظ آبادی کو چھوڑ کر پورا ملک ان مذاہب کے ماننے والوں کا ہے۔ ان میں ہر ایک کی اپنی فلاسفی ہے۔ خدا کے وجود، اس کی ذات وصفات، کائنات اور خدا اور انسان کے تعلق جیسے مسائل میں ان کے درمیان بنیادی اختلافات ہیں۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام مذاہب کو ختم کر کے ایک مذہب بنا دیا جائے۔ البتہ ان کے درمیان بہت سی مشترک قدریں بھی ہیں، جن کی بنیاد پر وہ مختلف ملکی اور سماجی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ عملی دنیا میں ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ ان مذاہب کے ماننے والے صدیوں سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں،

لیکن ان کے درمیان بڑی غلط فہمیاں اور دوریاں ہیں۔ یہ ختم ہونی چاہئیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کے بنیادی فکر اور مسائل حیات میں اس کے موقف کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ اپنے طور پر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرلی جائے اور اس کے مطابق رویہ اختیار کیا جائے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے مذہبی بحثیں چھڑ جائیں گی، لیکن ان بحثوں کے نتیجہ میں ہر مذہب کا صحیح موقف واضح ہوجائے اور ملک کی اکثریت ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھنے لگے تو یہ بڑی کامیابی ہوگی۔

۷-مغرب نے مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دے رکھا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی شخص چاہے تو اپنی ذاتی زندگی میں مذہب کو اختیار کرسکتا ہے، لیکن اجتماعی معاملات مذہب کی مداخلت سے آزاد ہوں گے۔ چناں چہ تعلیم، تہذیب، معاشرت، معیشت، سیاست ہر شعبۂ حیات کو اس نے مذہب سے دور رکھا ہے، بلکہ اسے گوارا کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ ہم نے بھی سیکولرزم کے نام پر مذہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر رکھا ہے۔ یہ کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔ اگر مذہب ہمارے مسائل حل کرتا اور ہمارے سماج کو بہتر رخ دیتا ہے تو اس پر لازماً غور ہونا چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سیکولرزم کا نام لے کر اسے رد کردینا دانش مندی نہ ہوگی۔ اسلام کے ایک طالب علم کی حیثیت سے عرض ہے کہ وہ اس معاملے میں ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ اس کی بعض اصولی تعلیمات یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

۱-اللہ تعالیٰ ہمارا خالق، مالک، معبود اور فرماں روا ہے۔ وہ اپنے پیغمبروں کے واسطے سے ہمیشہ راہ ہدایت دکھاتا رہا ہے اور آخر میں حضرت محمدؐ کے ذریعے تمام انسانوں کو اس کی ہدایت و راہ نمائی ملی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ اسی ایک خدا کی عبادت کرے اور اس کے احکام اور ہدایات کا پابند رہے، ورنہ اس کی دنیا کا رخ بھی غلط ہوگا اور آخرت میں بھی اسے برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۲-اسلام انسانی حقوق کا واضح تصور دیتا ہے۔ اس کے ہاں فرد، خاندان، معاشرے کے کم زور افراد، اپنوں اور غیروں کے حقوق کا ایک سسٹم ہے۔ وہ ہر ایک کو ان کے احترام کا پابند بناتا ہے اور کسی بھی صورت میں ان کی پامالی کی اجازت نہیں دیتا۔

۳-وہ وحدت بنی آدم کے نمائندے کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے اور یہ تصور دیتا ہے کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے بہ حیثیت انسان سب برابر ہیں، ان میں خاندان، قبیلے، رنگ و نسل یا کسی اور بنیاد پر فرق و امتیاز ناروا اور ناقابل برداشت ہے۔ ان میں برتر وہ ہے، جو اپنے اخلاق و کردار اور تقویٰ و خداترسی میں آگے ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی قوم اور نسل اور کسی بھی علاقہ اور خطۂ زمین سے ہو۔

۴-وہ معاشرے کی تعمیر میں اخلاق و کردار کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ انسان کے اندر جھوٹ، مکروفریب، خیانت، بدعہدی اور غلط کاری کی جگہ صداقت، راست بازی، امانت و دیانت، ایفائے عہد اور عفت و عصمت جیسی صفات پیدا کرتا ہے۔ وہ ایسی فضا پیدا کرتا ہے کہ معاشرہ سے بداخلاقی ختم ہو اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کو فروغ حاصل ہو۔

۵-انسان اپنے مادّی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ فطری طور پر روحانی سکون بھی چاہتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں کو اہمیت دی ہے۔ وہ ایسا نظام قائم کرتا ہے، جس میں ہر ایک کی مادّی ضروریات پوری ہوں اور وہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو۔ اس کے ساتھ اپنے خالق و مالک سے تعلق کے ذریعے وہ روحانی سکون بھی حاصل کرے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے مسائل سیاسی کوششوں سے حل نہیں ہو رہے ہیں۔ کیا ہم اس کے حل کے لیے مذہب کی طرف رجوع نہیں کرسکتے اور اسلام کی راہ نمائی پر غور نہیں کرسکتے؟!